مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

شذرات

نبی علیہ السلام کی دعوت اسماعیل علیہ السلام کے طریقے سے ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا احیاء تھی اور اس کی مثال آپ علیہ السلام کے لئے پہلے گذر چکی تھی، "ملّتِ ابراہیم علیہ السلام کا احیاء اسرائیل کے طریقے سے بواسطہ موسیٰ علیہ السلام کے" اور نبی علیہ السلام خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کرتے تھے، اسی لئے ابتدائی سور قرآنیہ میں اس کا ذکر آیا ہے: "**انا ارسلنا الیکم رسولا کما ارسلنا الی فرعون رسولا**" اور نبی علیہ السلام پوری دنیا کو چیلنج کرتے تھے کہ تورات اور قرآن کی تعلیم جیسی کوئی تعلیم پیش کریں اور ان دو سے اگر بڑا کوئی ہادی ہو تو آپ علیہ السلام اسی کی اتباع کریں گے اور یہ چیلنج پوری دنیا کو تھا، البتہ رہا خاص طور پر عرب کو چیلنج تو وہ صرف قرآن سے تھا۔

آپ دیکھیں گے کہ آج یہود و نصاریٰ میں سے جو امتیں خالص (یہودیت و نصرانیت پر) ہیں وہ تورات کی تعلیمات کا اتباع کرتی ہیں اور صابئین جوکہ ایران کے مجوس ہیں ان میں سے ایک جماعت کے پاس زرادشت کی کتاب ہے اور یہود و نصاریٰ کی طرح ہندوؤں کی دو جماعتیں ہیں، ان میں سے جو برہمن ہیں، ان کے پاس کتاب ویدک ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں اور وہ یہود کی طرح ہیں اور **سُمنیہ** جو بوذا کے پیروکار ہیں، وہ نصاریٰ کی طرح ہیں، ان کے پاس بوذا اور اس کے متبعین کی حکمت ہے۔

لیکن ان تمام ایران کے مجوس، ہند کے برہمن اور **سمنیہ** کے پاس تورات جیسی کوئی کتاب نہیں ہے اور وہ خود اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

صابئین میں سے ایک ایسی جماعت ہے جو عقلی نظریات پر اعتماد کرتی ہے، ان کا مرکز یونان اور روم تھا اور یہ لوگ جب کسی قوم کو متفق کر لیتے اور انہیں ایک ایسے قانون کی ضرورت پڑتی جو ملکی قانون سے اعلیٰ ہو تو اہل کتاب سے ایسی بات لے لیتے جو ان کے مزاج کے موافق ہوتی۔

پھر اگر کوئی عام جماعت ہوتی تو وہ ظالم بادشاہ (ڈکٹیٹر شپ) سے مدد لیتی یا ادیان میں سے کسی دین کی طرف رجوع کرتی اور دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں تھی جو انبیاء کرام سے حاصل کردہ علوم کو تورات کے مانند منضبط کرتی ہو۔

پھر ابراہیم علیہ السلام کا دین کسی ایک خطے یا کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، بلکہ روئے زمین کی پوری انسانیت کے لئے عام تھا اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی ایسا شخص میدان میں نہیں آیا جو ابراہیم علیہ السلام کی طرح تمام لوگوں کے لئے ایک عموی نظریہ لایا ہو اور اللہ تعالیٰ کے فرمان "**انی جاعلك للناس اماما**" کے معنی یہی ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی ملّت کا روح امور اجتماعیہ میں لوگوں کی بادشاہت (ڈکٹیٹرشپ) کو باطل کرنا تھا اور اسی طرح مخلوقات میں سے کسی مخلوق کی الوہیت (خدائی درجہ) کو ختم کرنا تھا اور یہی

توحید ہے، یہ ایک ایسی فکر ہے جو ہر سلیم الفطرت انسان کی ترجمانی کرتی ہے، انسان یہ برداشت نہیں کرتا (اس کی اجازت نہیں دیتا) کہ وہ اپنے جیسے کسی انسان کا خادم (نوکر) ہو۔اور ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی حیثیت مشورہ لینے، دینے کی ہو اور شوریٰ میں اس کو دخل ہو اور یہ سب کچھ گویا انسانی فطرت ہی ہے۔

بلند عقل والی جماعت اِسے مانتی ہے کہ جسمانیات سے ہٹ کر ایک الٰہ (خدا) ہے جو اس کائنات کو اپنی صفاتِ لازمہ کے ذریعے مستلزم ہے، چنانچہ انسان جب الوہیت (خدائیت) میں غور وفکر کرے تو لازماً اُسے اس قسم کے عقیدے کا معتقد ہونا پڑے گا اور ہر محسوس مبصر (دکھائی دینے والی) چیز جسے وہ اپنے حواس سے ادراک کرے، کی الوہیت کا انکار کرنا پڑے گا، اسی سے انسان دجّالوں کی غلامی سے آزاد ہوجاتا ہے اور یہی عینِ فطرتِ انسانیہ ہے۔

لیکن ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعوت ان کے زمانہ کی تمام انسانیت تک نہیں پہنچی، اسی لئے ارادہ فرمایا کہ اپنی دعوت وفکر کو اپنی اولاد میں سے تمام انسانیت کے اندر عام کرنے کے لئے ایک انتظامی قوت پیدا کریں، پس اللہ سے دعا کی کہ اُسے بیٹا دے چنانچہ اللہ نے اُسے اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے دو مسجدیں بنائیں، اسحاق علیہ السلام کے لئے القدس اور اسماعیل علیہ السلام کے لئے مکہ۔

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں جو شخص پیدا ہو، بشرطیکہ باہمت افراد میں سے ہو، وہ چاہے گا کہ اِس دین کو پوری انسانیت کے اندر پھیلانے میں امام بن جائے اور انہی میں سے موسیٰ علیہ السلام ہیں، لیکن وہ اس کی طاقت نہ رکھ سکے، اس لئے کہ ان کی وہ قوم، جسے انہوں نے اپنی فکر کو لوگوں میں عام کرنے کے لئے اپنے اعضاء کے مانند کر رکھا تھا، اس قوم نے ان کی ایسی اطاعت نہیں کی، جیسی ہونی چاہئے تھی، موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ اپنی قوم کو مصر سے القدس لیجائیں اور وہاں اپنے اصلی وطن میں اپنے مطلوب کی تکمیل کے لئے ایک ادارہ (ڈپارٹمنٹ) قائم کریں، لیکن قدس تک نہیں پہنچے بلکہ راستہ میں ہی رحلت فرماگئے اور بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں آیا جو موسیٰ علیہ السلام کی طرح عالی ہمت ہو۔

ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور ارادہ فرمایا کہ اس دعوت کو عام کرنے میں موسیٰ علیہ السلام کے قائم مقام ہوجائیں، لیکن یہودیوں نے انہیں قبول نہیں کیا، پھر انہوں نے صرف ایک تبلیغی جماعت کی بنیاد ڈالی تاکہ وہ اس فکر کو تمام امتوں میں پھیلادے، اور اس کے بعد شرقی رومی سلطنت نصرانی بن گئی اور ان میں ایسی چیزیں کرنے کی طاقت آگئی جو یہودی نہ کرسکے اور نہ ہی ان کے کرنے کی ان میں طاقت تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہودیوں نے بنی اسرائیل میں ایک یہودی قومی تنظیم کی بنیاد رکھی، وہ دینِ ابراہیمی سے تجاوز نہیں کرتے تھے اور جو بھی اس ملت کو بنی اسرائیل کے علاوہ میں پھیلانا چاہتا اس کی مخالفت پر اتر آتے اور اس پر بغاوت کرتے۔